ڈاکٹر فوزیہ اسلم

روایتی اور جدید افسانے کی تکنیک کا تقابلی جائزہ

Short story enjoys a variety of techniques because of which some aspects of life erstwhile supposed to be taboo have now been included in the embrace of literature. This has put a demand for new techniques, artistic treatment and styles. It has caused changes in the genre and hte consequence is that that symbolism, abstraction, allegory adn figurative elements are being used increasingly. The modern short story has taken a new shape because of these stylistic techniques which are the subject of study here.

اردو افسانے کا آغاز داستانی روایت کی تکنیک کا پاسدار تھا اس کے ساتھ افسانے کا نامکمل تشکیل اور علامت بھی اس کا حصہ بنے۔ حقیقت اور واقعیت کی تکنیک نے بھی ابتدا ہی میں آنکھ کھولی اور رومانی تکنیک بھی ابتدائی افسانے کی نمائندگی کرنے لگی۔ پلاٹ، کردار، فضا، ماحول اور اخلاقی قدروں کی تکنیک ہر ایک سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ ایلس اے ہینز اپنی کتاب کے دیباچہ میں کہتا ہے

"(i) The short-story writer may make moral values explicit and obvious by writing a story

'with a moral'. That is one method, but no one much in favour nowadays, nor very easily to be found in this book. There is a danger that too obvious a moral will destroy the art, the characters may appear as puppets, the plot a mere contrivance. The illusion of truth may be broken, and a moral however good and true · that destroys the truth of the fiction will be self-defeating.

(ii) The values embodied in the story will usually be expressed throught the plot, the characters, the setting and by the way in which the story is written. The style is often the clearest guide to the writer's sincerity: we can detect falsity by the tone of the speaker's voice or a writer's use of words.

(iii) The best writers try to work unobtrusively, presenting their view of life through characters involved in situations and events in such a way as to give us an implicit understanding of the another's moral and literary values, an

Scanned by CamScanner

awareness of what he admires and of what he deplores. Compassion, for example - and I single out this quality because many of the stories in this book are concerned with it - is best presented for our approval, not by an explicit moral or sermon, but by an author's concern for human beings in their infinite variety of strength, weakness, wisdom or folly

(iv) Although - as above - it is sometimes convenient to make a verbal distinction between moral and literary values, it is usually misleading to attempt to cosider them apart."[1]

اخلاقیات، کردار، پلاٹ اور فضا کی تکنیک میں استعمال ہوتی رہی ہے۔
1930ء کے بعد افسانے کی تکنیکی روایت میں معتد بہ تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اولین سطح پر نفسیاتی، علامتی، حقیقت نگاری اور شعور کی رو کے افسانے سامنے آئے اور پھر شعور اور لاشعور کی تیز دھاریوں کے لیے تکنیکی اعتبار سے وسیع تر ہونے لگے۔ اس عہد میں کہانی کاری کے چلن بدلے اور معمولی سے کردار سے ایک بڑی کہانی بننے کا رواج بڑھنے لگا۔ اس کی ایک مثال غلام عباس کا "آنندی" ہے۔

پرانی تکنیک پر ایک نظر ڈالنے کے بعد جب ہم جدید افسانے کے عہد میں داخل ہوتے ہیں تو متنوع اسالیب، جو ماضی کے افسانے کا جزو لاینفک تھے، یا تو کلیتاً ٹوٹ پھوٹ گئے یا ان میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کے سبب نئے عہد کے تقاضے نبھانے

Scanned by CamScanner

کی گنجائش پیدا ہو گئی۔ ڈاکٹر اعجاز راہی فنی تکنیک کے ساتھ اس کے جواز پر بھی اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نئے اردو افسانے نے زندگی کو وسیع تناظر میں دیکھنے کی روایت قائم کی اور اس کے لیے اس نے نہایت توانا ناصیاتی اسلوب اور ڈکشن کو استعمال کیا، جس میں نئے موضوع و کردار کو زندہ پیکروں میں مجسم کرنے والی پوری صلاحیت اور اس کے اندر غیر مرئی قوت کا ایک بے پایاں استدلال اور وسعت موجود تھی۔ چنانچہ معنیاتی انسلاکات و استدراک کے لیے استعاراتی، علامتی، تمثیلی اور پیکری تہہ در تہہ محاکات کا تخلیقی محاکمہ نئے افسانے کے اسلوب اور بنت کا حصہ بنا۔ معمول کی لفظیات کے استعمال کے انکار سے نئے افسانے کی نئی لفظیات نے نئی لسانی تشکیلات کی ایک عملی شکل واضح کی اور ادب کو لفظیات کا ایک نیا ذخیرہ مہیا کیا۔ یہ سارے عناصر مل کر نئے افسانے کو اظہار کے لیے ایک وسیع کینوس مہیا کرتے ہیں۔

نئے افسانے کی علامتیت، رمزیت، پیکریت اور دروں بینی کا وظیفہ جو موجودہ انسان کے نفسی محرکات میں بڑا اہم ثابت ہوا ہے، بنیادی طور پر پورے عصری افسانے کے لیے عصری اسلوب کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ علامتیت قاری کے اندر اپنی تحریر کی غنائیت اور کثیر المعانی زاویوں کے سبب ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتی ہے جو عصر کا مفہوم سمجھنے میں مدد دیتی ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ علامتیت میں افسانے نے پہلی بار اصل ہیئت پائی اور اس کی روح اور نفسی اتھاہ تک اترنے میں رسائی حاصل کی۔ یہ علامتیت کی عطا ہی ہے

Scanned by CamScanner

کیا اس نے ظاہری اور باطنی دنیا کے مابین ملاپ کی راہ تلاش کی۔ دونوں کی دوہری حیثیت کو نفسیاتی تاروں سے باندھ کر ایک کو دوسرے کے لیے تاریخ اور تاریخ دار بنایا۔ مادی فطری مظاہر اور باطنی مظاہر کے مابین رشتوں کی تجدید سے اردو افسانے کو جدید تشبیہ آشنا کیا ہے اور تصوریت مادی نقطہ نظر رکھنے والوں کے لیے کو منطقی معنویت میں ڈھال کر موجود اور غیر موجود، فانی اور غیر فانی تصور اور حقیقت کے مختلف کناروں کو علامتیت کی ردا میں ایک بے تعبیر شدہ وحدت میں پرو دیا۔

اس نئی صورت حال نے کہانی کی بنت اور پلاٹ کے پرانے تصور تکنیک کو ہمہ پہلو اسلوب میں بدل دیا۔ جو عصر کے قلب ماہیت کرتے وحدت میں زندگی کے پھیلاؤ اور وژن کی وسعت گیرائی کی ہیئت کرتا ہے۔ یہ اسلوب من حیث المجموع پورے عصری منظر نامے پر محیط ہے۔ مگر اس سے آگے بھی کئی اسلوبیاتی لہریں نظر آتی ہیں۔ یہ لہریں مختلف افسانہ نگاروں کی شناخت بھی قائم کرتی ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کے نفوذ سے پورے سماجی ڈھانچے میں دراڑیں پڑ چکی تھیں جس کی وجہ سے قدریں اور ضرورتیں بھی بدلیں اور سوچ کا انداز بھی۔ اندریں حالات بات کرنے کے لیے ایک نئے ڈھب کی ضرورت تھی، چنانچہ پرانے ڈھانچے کے انہدام کے بعد نیا تعمیر، نیا طریقہ، نیا فن اور نئی تکنیک نے تعمیر نو کی ایک صورت پیدا کر دی۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان اس صورت حال کو یوں بیان کرتی ہیں:

کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ماضی کی اور نئی کہانی میں فرق صرف

ہیئت کی تبدیلی کا ہے۔ [illegible] کہانی [illegible] کہانی

نئی بن جاتی ہے۔ لیکن یہ بات [illegible]

میں لکھی ہوئی کہانی نئی کہانی نہیں کہلائی [illegible]

لکھی ہوئی کہانی نئی کہانی کے [illegible] کہانی [illegible]

افسانہ نگاری کا یہ [illegible] تجربات کا دور تھا۔ [illegible]

زور دیا گیا۔ غرض صوری اور معنوی [illegible]

پچھلے دور کے افسانے سے مختلف ہے۔

نئی کہانی کی اپنی شناخت کی ایک [illegible]

ہے۔ فسادات کے نتیجے میں تہذیبی توڑ پھوڑ [illegible]

ہجرت نے اردو افسانے پر جو [illegible] اثرات [illegible] افسانے [illegible]

صورت ان ہی کی پیدا کردہ ہے۔ ایک [illegible]

موضوعات ہیں۔ ان ہی واقعات کے اظہار کے لیے [illegible]

تھے) نئی تکنیک، نئے اسلوب اور نئے تجربات [illegible]

خلاف رد عمل کو ظاہر کرنے کے لیے علامت [illegible]

تکنیکی آلات استعمال ہوئے۔ کچھ افسانہ نگاروں نے [illegible]

ف، ڈر، خوف، ذہنی انتشار، [illegible] کہانیاں، [illegible]

بازیافت اور کھوئے ہوؤں کی تلاش پر افسانے لکھے۔ پہلے [illegible] خارجی اثرات کا

اظہار کرتا تھا مگر اب خارجی اثرات سے پیدا ہونے والے [illegible]

جہاں تک ماقبل کا افسانہ رسائی نہ رکھتا تھا۔ [illegible]

بلکہ فنی، اسلوبیاتی اور تکنیکی طور پر بھی تجربوں سے [illegible]

کے سبب اس دور کے افسانے زیادہ گہرائی کے حامل [illegible]

Scanned by CamScanner

اس کے ساتھ ساتھ افسانے میں کچھ نئے رجحانات بھی در آئے۔ ان میں احساس مغائرت، لایعنیت، نیستی، ڈیپریشن، ذات کے گنبد بے در کی قید، خود کلامی اور رنگ بھری دنیا سے لاتعلقی شامل ہیں۔ اگر چہ یہ مشکل موضوعات ہیں لیکن نئے افسانہ نگاروں نے ان موضوعات کو نئے تکنیکی و فنی اسالیب کے استعمال سے بخوبی بیان کیا۔ اگر چہ اس کا زیادہ زور 60ء کی دہائی میں ہوا تاہم صورت حال کی تبدیلی سے کہانی کہنے کے انداز میں فرق آیا ہے۔ اصلاً پہلے دور کی کہانیوں میں زندگی کا اکہرا پن نمایاں ہوتا تھا مگر اب یہ کہانی پوری زندگی کے تمام رنگوں اور خارج و باطن کے تمام وجود کا احاطہ کر لیتی ہے اور اس طرح سے افسانہ کا کردار ظاہر اور باطن دو سطحوں پر عیاں ہو جاتا ہے۔ یعنی پہلے ظاہری اعمال تک بات رہتی تھی، اب باطنی اعمال بھی سامنے آ جاتے ہیں:

> ''مختصر افسانے میں فنی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کا ذمے دار نیا انسان ہی تھا۔ ''شعور کی رو'' کی تکنیک جو جدید افسانے میں ملتی ہے، اسے فنکاروں نے کسی وضع کردہ فارمولے کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ بلکہ یہ تکنیک اس نئے انسان کی باطنی دنیا کی شناخت اور اس کا اظہار ہے جس میں مسلسل اتھل پتھل ہوتی رہتی ہے۔''4

نئے لکھنے والوں میں جنھوں نے تکنیک کے نئے زاویے مرتب کیے ان میں انتظار حسین کا نام نہایت اہم ہے۔ انتظار حسین کہانی بنتے ہوئے داستانی زبان کے ساتھ تہذیبی اور مذہبی اساطیر اور لوک تلمیحات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے مسائل کو تاریخی و تہذیبی اسطور سے ہم آمیز کر کے کہانی کی بنت کاری کرتے ہیں۔ اس عمل سے جہاں ان کا ایک یکتا اسلوب الگ سے اپنی شناخت کراتا ہے، وہیں اس عہد کی کہانی کو پچھلی کہانی سے جدا رنگ میں بھی پیش کرتا ہے۔

انتظار حسین نے لوک اوہام کو علامتیں بنایا ہے۔ ان کے افسانے ''جنگل'' ''جو کو

ہے، "زرد کتی" اور کئی دیگر افسانے جدید عہد کی تکنیک کے وہ شاہکار ہیں جو انتظار حسین کو ایک بڑے کینوس پر دکھاتے ہیں۔

نئی کہانی کاری میں انور سجاد کے افسانے فنی و تکنیکی اعتبار سے ایک نئی روایت کا تعین کرتے ہیں۔ انور سجاد ایک باشعور اور فنی بصیرت سے آگاہ افسانہ نگار ہیں۔ ایک اچھی کہانی لکھنے کے لیے جس عالمانہ شعور، بالغ نظری، آگہی اور تکنیکی ادراک کی ضرورت ہوتی ہے وہ انور سجاد کے ہاں موجود ہے۔ انھوں نے اپنی کہانی کو تکنیکی اعتبار سے جو نئے روپ دیے ان میں یونانی، مالی، قدیمی کی اساطیر کو ایک قرینے، سلیقے اور ہنرمندی کے ساتھ استعمال کرنا بھی شامل ہے۔

"اساطیر کسی کی میراث نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ تو سارے انسانوں کی مشترک میراث ہیں۔ جہاں کہیں میں نے انہیں استعمال کیا ہے وہاں وہ پورے پس منظر سے ہم آہنگ ہیں۔"5

ان کے بہترین افسانوں میں "واپسی دیو جانس۔ روانگی"، "دوب، ہوا اور لنجا" شامل ہیں۔

رشید امجد جدید علامتی افسانے کا ایک بڑا نام ہے۔ انہوں نے نہ صرف علامتی افسانے لکھے بلکہ علامت سازی میں اپنی فنی مہارت کا ثبوت بھی دیا۔ رشید امجد کے موضوعات افتادگان خاک ہیں۔ وہ سماج کے ان کرداروں کا انتخاب کرتے ہیں جو Derail ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے موضوعات زندگی کی حقیقتوں سے اور تکنیک جداگانہ ہونے کے سبب اپنے ہم عصروں میں الگ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے تکنیک میں تقلید سے گریز کیا ہے۔ اسی لیے ان کے افسانوں کا اسلوب ان کی شناخت بن گیا۔ ان کے کرداروں کی طرح ان کی علامتیں بھی تہذیبی، مذہبی، لوک رس اور جدید تضادات زندگی کے خمیر سے اٹھتی دکھائی دیتی ہیں، اسی لیے ان کے افسانوں میں ابلاغ کا مسئلہ نہیں بنتا۔

"رشید امجد کی افسانوی کائنات نہ صرف روایتی بلکہ جدید افسانہ

Scanned by CamScanner

نگاروں مثلاً انتظار حسین، انور سجاد کی افسانوی کائنات سے بھی مختلف و منفرد ہے۔ رشید امجد کے یہاں یہ انفرادیت افسانے کی داخلی اور خارجی ساخت کے تعلق سے ایک نئے منطقے کی صورت میں اپنی پہچان کراتی ہے۔ افسانے کے مروجہ اسلوب سے انحراف اور لسانی تشکیلات کا عمل ان کے یہاں اظہار و اسلوب کی جو انوکھی صورت ابھارتا ہے، اس کو باقاعدگی اور تسلسل کے ساتھ برتنے کی وجہ سے ان کی ایک الگ پہچان قائم ہوئی۔"[6]

رشید امجد نے روایتی افسانے سے آغاز کیا اور شعور کی رو، آزاد تلازمہ خیال اور کی ٹائپل تکنیک سے اپنی کہانیوں کو بنا ہے۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کے کہانی کار ہیں۔

محمد منشا یاد کہانی پر زور دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہاں پلاٹ، کردار سازی اور منظر نگاری کے عمدہ نمونے مل جاتے ہیں۔ انہوں نے بھی رشید امجد کی طرح روایتی افسانے سے آغاز کیا۔ پھر 60ء کی دہائی کے بعد علامت سازی کی طرف آئے اور علامتی افسانے لکھے۔ دیہی پس منظر اور شہری زندگی کے سبب ان کی کہانیوں میں دوہرا رنگ آ جاتا ہے۔ ان کا افسانہ "اپنا اپنا کاگ" اس کی بہترین مثال ہے۔

اعجاز راہی علامتی افسانے کے آغاز کے لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں:

"70ء کی دہائی کے شروع میں ہی ایک شہر افسانے کے لیے افسانے کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں کے لکھاریوں نے افسانے کے جس ذائقے کو جنم دیا وہ اپنے اردگرد سے بڑا مختلف تھا۔ نئے موضوعات، نیا اسلوب، بہت سے لکھنے والے، وحدت میں کثرت کا جلوہ ان لوگوں نے یوں دکھایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے انداز کا لکھاری تھا۔ ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر اعجاز راہی، مظہر الاسلام، احمد

Scanned by CamScanner

جاوید، مرزا حامد بیگ، رشید امجد اور منصور قیصر   ان سب نے مل کر افسانے میں ایک نئے دبستان کی بنیاد رکھی۔"[7]

"اعجاز راہی پاکستان کے ان تین افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے نئے اردو افسانے کی روایت کو ایک مثبت اور فعال تحریک بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔"[8]

اعجاز راہی کے افسانے فکری و فنی طور پر نئے مزاج اور ذائقے کی گواہی دیتے ہیں۔

نجم الحسن رضوی کی کہانیوں میں اگرچہ تکنیکی تجربات کی گنجائش کم ہے، تاہم ان کا شمار بھی علامتی کہانی کاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے موضوعات میں ندرت اور فن میں تنوع ہے۔

خالدہ حسین کے ہاں تکنیکی تنوع موجود ہے۔ جس کے سبب وہ خارجی مظاہر فطرت کے ساتھ لاشعوری اور تحت الشعوری مظاہر کو بھی سہولت کے ساتھ کاغذ پر اتار لیتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں باطنی سفر ایک نئے صوفیانہ آہنگ کی پہچان کراتا ہے اور اس کے لیے انہیں ایک طاقت ور تکنیک کی ضرورت ہے اور ان کا کمال فن ہے کہ وہ تکنیکی ندرت کے ساتھ مشکل ترین مرحلوں سے باسہولت گزر جاتی ہیں۔

احمد جاوید اردو افسانے کا ایک معتبر نام ہے۔ انہیں موضوع کے انتخاب اور بیان پر کمال قدرت حاصل ہے۔ موضوع اور تکنیک کی جو جلوہ نمائیاں احمد جاوید کے ہاں ملتی ہیں وہ ان کے ہم عصروں میں کم کم ہیں۔ بسا اوقات احساس ہوتا ہے کہ جیسے موضوع اپنے ساتھ تکنیک لے کر آیا ہے۔ بہت سے اچھے کہانی کاروں میں بھی فکر و فن کے باہمی تفاوت دکھائی دے جاتا ہے مگر احمد جاوید جدید عہد کے ان لکھاریوں میں شمار ہوتے ہیں جنہیں موضوع کے انتخاب کا گیان اور تکنیک کا شعور ودیعت ہے۔ وہ ایک صاحب اسلوب کہانی کار ہیں۔ ان کی علامتیں ان کی فکری زمین سے پھوٹتی ہیں۔ وہ

Scanned by CamScanner

اپنے لیے ماحول سے بھی علامت اکٹھی کرتے ہیں اور کہیں کہیں جانوروں کی نفسی صفات
کو علامات بناتے ہیں۔

''احمد جاوید کے ہاں جانوروں وغیرہ کی علامات سے سماجی اور انسانی صورت حال کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جانوروں وغیرہ کی نفسیاتی کیفیات، انسان کی نفسیاتی کیفیات سے مطابقت رکھتی ہیں۔ کتے کو کتا کہنا افسانہ نگار کی مجبوری ہے۔ چاہے کتے کو سماج میں کتنا ہی عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہو۔ یہ علامتیں مبہم نہیں ہیں کیونکہ کہانی کا اندرونی گردوپیش ان علامتوں کے مفاہیم کا تعین کر دیتا ہے۔ وہ علامتوں کے ذریعے ان سماجی حالت کو بیان کرتا چلا جاتا ہے جس سے آج کا دور گزر رہا ہے۔''[9]

آج جدید افسانے میں بہت سے نام سامنے آچکے ہیں۔ چنانچہ یہاں محض تکنیکی نوع کی ایک جھلک دیکھنا مقصود تھی۔ نئے افسانے میں تکنیکی و اسلوبیاتی بحث سے ایک اور بات واضح ہوتی ہے کہ اکثر لکھنے والوں کے ہاں تکنیک اور اسلوب کی شراکت ہے اور کسی بھی منظم یا غیر منظم تحریک کے ایک ہی عصر میں لکھنے والوں میں تکنیکی شراکت معیوب نہیں ہوتی کیونکہ اس شراکت سے انفرادی اسلوب کے بعد ایک اجتماعی اسلوب کی بازیافت ہوتی ہے۔

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے تکنیک کے حوالے سے ممتاز شیریں کی رائے دیکھتے ہیں

''صرف اچھا مواد یا اچھی تکنیک کسی افسانے کو اچھا نہیں بناسکتی۔ کامیاب فن کار ہر طرح کے موضوع سے ایک اچھا افسانہ تخلیق کرسکتا ہے۔ وہ بلند، عظیم اور گہرے مواد سے ایک معمار کی طرح مضبوط اور عالی شان افسانے کی عمارت تیار کرسکتا ہے۔ وہ نازک اور چھوٹے موضوع سے ایک سنار کی طرح نزاکت و نفاست سے

Scanned by CamScanner

تراش کر خوب صورت اور نازک زیور کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تکنیک کا کام ہے۔ تکنیک کے ذریعے ہی کسی کہانی کو ایک منفرد انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ گویا ایک ہی مواد ایک خاص تکنیک کی وجہ سے زیادہ موثر ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی مواد کو دوسری تکنیک میں ڈھال جانے سے اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ پریم چند، بیدی، منٹو، کرشن چندر، عصمت اور چند دوسرے افسانہ نگاروں کے یہاں موضوع اور مواد کے الگ الگ تکنیک کی ضرورت ہوتی ہے۔

تکنیک کو صرف ہیئت یا افسانے کی ساخت سمجھنا غلط ہے کیونکہ اس کا دامن بہت وسیع ہو گیا ہے۔ ہر وہ چیز جو پہلے ادب سے خارج سمجھی جاتی تھی، اب ادب کے دامن میں سمیٹ لی گئی ہیں۔ نئے افسانے میں وہی کچھ ہوتا ہے جو زندگی میں ہے۔ مواد کے نئے پن کے ساتھ ساتھ تکنیکوں کے بھی نئے نئے تجربے ہوئے ہیں۔ اب تکنیک میں اتنا تنوع ہے کہ اگر ہر افسانے کی الگ الگ تکنیک نہیں تو کم از کم ہر افسانے کی تکنیک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہوتی ہے۔ بعض تکنیکیں بہت زمانے سے چلی آ رہی ہوتی ہیں۔ لیکن کئی تکنیکوں کی حدیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور افسانے میں دو قسم کی تکنیکوں کا امتزاج ہو جاتا ہے اور یہ نئی تکنیک بذات خود ایک الگ تکنیک بن جاتی ہے۔ تکنیک کی اقسام کا تعین بہت مشکل ہے۔ ایک موٹی تقسیم یوں کی جا سکتی ہے

1۔ بیانیہ کے لحاظ سے ماضی، حال، مستقبل، متکلم، غائب، مخاطب کی طرز

2۔ (الف) صرف تصویر کشی یا حوالہ

(ب) ایسا بیان جس میں کہیں کہیں مکالمہ اور عمل ملا ہوا ہو

(اکثر افسانوں میں یہی امتزاج ہوتا ہے)

(ج) صرف "گفتگو یا مکالمہ" 10

خلاصہ بحث کے طور پر ایک نظر پرانے اور نئے افسانے کے فرق پر ڈالتے ہیں:

- ☆ نئے اور پرانے افسانے میں فن اسلوب اور موضوع دونوں کا فرق ہے۔
- ☆ دونوں افسانوں میں تکنیک کا فرق ہے۔
- ☆ پرانا افسانہ پلاٹ پر زور دیتا ہے مگر نیا افسانہ کردار کے گرد بنا جاتا ہے۔
- ☆ پرانے افسانے میں کہانی کار کا موضوع اتنا بڑا تھا جتنا انسان نظر آتا ہے۔ نئے افسانے نے انسان، خارج میں جتنا نظر آتا ہے،اس سے زیادہ جتنا وہ باطن میں ہے،اسے بھی موضوع میں شامل کیا ہے۔
- ☆ پرانے اور نئے افسانے میں زبان کا فرق بھی نمایاں ہے۔
- ☆ پرانے افسانے میں سیدھا سادہ بیانیہ انداز اپنایا جاتا تھا مگر اب مختلف الجہات انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔
- ☆ علامتوں کا شعوری استعمال نئے افسانے کی ایک صفت ہے جب کہ یہ چیز روایتی افسانے میں نہ تھا۔

~~~~~~~~~~~

حوالہ جات

1۔ Burts.S.H."Modern short story: Longman,London,1968,5th Editon. P.ix

2۔ اعجاز راہی،ڈاکٹر"اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ" مریز پبلی کیشنز،راولپنڈی، طبع اول جون 2003،ص 57

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~~

3۔ نکہت ریحانہ خان، ڈاکٹر "اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ"، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی، طبع اول نومبر 1986ء، ص 238

4۔ ایضاً، ص 233

5۔ انور سجاد، مشمولہ "ماہ نو" لاہور، اپریل مئی 1977ء، ص 65

6۔ مجید مضمر، ڈاکٹر "رشید امجد کی افسانہ نگاری" مشمولہ "چہار سو"، راولپنڈی 1988ء، ص 17

7۔ قاضی عابد، ڈاکٹر "اردو افسانہ اور اساطیر" شعبہ اردو زکریا یونیورسٹی، ملتان، طبع اول 2002ء، ص 249

8۔ رشید امجد، ڈاکٹر "دیباچہ تیسری ہجرت" مشمولہ "تیسری ہجرت" از اعجاز راہی، ڈاکٹر، دستاویز پبلشرز، راولپنڈی، 1974ء، ص 10

9۔ نوازش علی، ڈاکٹر "احمد جاوید کی افسانہ نگاری" مشمولہ "پاکستانی ادب کے پچاس سال" مرتب ڈاکٹر نوازش علی، گندھارا، راولپنڈی، طبع دوم 2002ء، ص 298،299

10۔ ممتاز شیریں "معیار" نیا ادارہ، لاہور، طبع اول 1963ء، ص 17،18،19

Scanned by CamScanner